ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

**شمائلہ بی بی**
پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
**ڈاکٹر طاہر عباس طیب**
استاد، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

# حبیب تنویر کا ڈراما "آگرہ بازار" میں ہندوستانی تہذیب و تمدن کا انحطاط

**Shamaila Bibi ***
Ph.D. Scholar, GC Women University, Sialkot.
**Dr. Tahir Abbas Tayib**
Assistant Professor, GC Women University, Sialkot.

***Corresponding Author:**

# Decline of Indian Civilization in Habib Tanveer's Play "Agra Bazaar"

Drama is an ancient and popular genre of literature, it has immense popularity in almost all languages of the world. Genre drama gained its popularity due to the explanations given by Aristotle and Bharata Mini. All the classical dramatists used the same principles of drama in their plays. In the West itself, writers from ancient times followed the principles presented by Aristotle. But in the second decade of the nineteenth century, the famous German dramatist Bertolt Brecht, deviating from the principles created by Aristotle, presented a new principle of dramas, "Epic Theatre" in plays. It became very popular and a new revolution was born in the world of drama and experiments were started in writing plays using this technique of Brecht in different languages. Plays were also written in Urdu inspired by this technique of Brecht. The early effects of which we find in the plays of progressive writers. But the most important and popular name among those who introduced Brecht's technique to the Urdu class in the true sense is that of Habib Tanveer. His drama

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

"Agra Bazaar" is the first Urdu drama to introduce the epic theater technique. Through this play, Habib Tanveer has started regular dramatization in Urdu.Agra Bazaar is the milestone in the history of modern Indian theater or Urdu drama from where Urdu drama begins its journey to a new era of modernity. This drama is considered to be the link between classical and modern drama as it uses classical drama as well as modern drama techniques. The impression left in a stage presentation fade with the passage of time, but that is not the case with Agra Bazaar. Because along with changing times, Habib Tanveer has made many changes in its plot and stories to make it more interesting and meaningful.

**Key Words:** *Drama, new revolution, experiments, using new technique of Brecht, different languages, new era of modernity, classical and modern, plot, interesting & meaningful.*

حبیب تنویر کا ڈراما "آگرہ بازار" کو پہلی بار ۱۹۵۴ء میں یوم نظیر کے موقع جامعہ ملیہ کے اسٹیج پر انجمن ترقی پسند مصنفین کے ذریعہ یک بابی ڈرامے کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ اس ڈرامے کو جامعہ ملیہ کے اساتذہ، طلباء اور اوکھلا گاؤں کے دیہی اداکاروں کو اکٹھا کر کے بیک وقت تقریباً ۷۵ لوگوں نے اسٹیج کیا۔ بعد میں قدسیہ زیدی اور دیگر کی درخواست پر اسے دہلی شہر کے کچھ دوسرے علاقوں جیسے رام لیلا میدان اور مشرقی عدالت وغیرہ میں بھی پیش کیا گیا۔ شروع میں یہ ڈراما بمشکل ایک گھنٹہ لمبا تھا اور ککڑی والے کی کہانی کے گرد گھومتا تھا۔ اس ڈراما کی خدمات کے لیے سنگیت ناٹیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازے جانے کے بعد، انعامات کی تقسیم کی تقریب آگرہ بازار میں پیش کیا گیا لیکن جب ۱۹۷۰ میں مرکزی دھارے کے تھیٹر کے لیے آواز اٹھائی گئی تو آگرہ بازار دوبارہ پیش کیا گیا۔ اسے دو ایکٹ میں تبدیل کر کے، مزید نظمیں اور مکالمے شامل کر کے دو گھنٹے کے ڈرامے میں دوبارہ بنایا گیا۔ اس کے بعد اسے ۱۹۷۷، ۱۹۸۹ اور اکیسویں صدی کے آغاز میں باقاعدگی سے اسٹیج کیا گیا۔ ہر بار اس کی کہانی میں ترمیم کی گئی۔ اسی طرح کتابی شکل میں کئی بار شائع ہوا۔ پہلی بار ۱۹۵۴ میں آزاد کتاب گھر نئی دہلی نے شائع کیا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ میں ہوا۔ ۱۹۹۸ میں محمد حسن نے اپنی کتاب "اردو ڈراموں کا انتخاب" میں شامل کیا۔ یہ ڈراما ۲۰۰۴ میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی نے مکمل طور پر شائع کیا تھا۔ ڈرامے کی مقبولیت کے بارے میں ڈاکٹر عطیہ نشاط کہتی ہیں:

> "کسی ڈرامے کی مقبولیت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی کافی ہے کہ ۱۶ برس کی مدت میں وہ پچاس بار اسٹیج پر پیش کیا جا چکا ہے۔"(۱)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

آگرہ بازار حبیب تنویر کا ایک نیم تاریخی اور سماجی ڈراما ہے جو نظیر اکبر آبادی کی ۱۶ نظموں پر مشتمل ہے۔ جس میں نظیر اکبر آبادی کے دور کی سماجی، سیاسی اور معاشی صورتحال کو پیش کیا گیا ہے۔ انیسویں صدی کا یہ دور ادبی، مذہبی اور ثقافتی نقطہ نظر سے ہندوستانی تاریخ میں تبدیلی کا دور سمجھا جاتا ہے۔ اس دور میں ہندوستان کے لوگ پریشان تھے۔ تمام بادشاہ اور نواب عیش و عشرت میں غرق تھے۔ شاعر اور ادیب توہم پرستی، رواداری اور تعصب کا شکار تھے۔ عوام میں غربت، بیروزگاری اور فاقہ کشی بہت بڑھ چکی تھی۔ نظیر اکبر آبادی نے اپنی نظموں کے ذریعے معاشرے کے اس طبقے کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس دور میں سماج کا ایک خاص طبقہ ادب میں ایک خاص قسم کی نفاست اور نزاکت چاہتا تھا۔ جب کہ نظیر کو ادب میں نفاست اور باریک بینی بالکل پسند نہیں تھی۔ وہ پر امن، بے تکلفی اور سادگی کے شاعر تھے۔ انہوں نے ادب کے قائم کردہ رائج عقائد کو رد کیا اور عام لوگوں کے لیے شاعری کی۔ جس کی وجہ سے اس دور کے ادیبوں اور شاعروں نے ان کی شاعری پر توجہ نہیں دی اور اسے محض تک بندی سمجھ کر گریز کیا بلکہ لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور آج تک اسے زندہ رکھا۔ حبیب تنویر نے آگرہ بازار کا ڈراما نظیر اکبر آبادی کی زندگی کی اس سچائی پر بنایا ہے۔

حبیب تنویر کو آگرہ بازار میں اسٹیج اور ڈرامے کے فن میں ایک نیا تجربہ ہوا اور ان کا تجربہ یہ تھا کہ انہوں نے ہندوستانی اور مغربی ڈراموں کو ملا کر ڈراما کی ایک نئی تکنیک کو جنم دیا۔ اس نے ہندوستانی تھیٹر کے قدیم اصولوں کو ہٹا کر کلاسیکی اور مغربی جدید ڈراموں کے درمیان ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ جس میں بریخت کا ایپک تھیٹر اور کلاسیکی ہندوستانی ڈراما دونوں نمایاں ہیں۔ اس کی بہترین مثال ان کا ڈرا "ما آگرہ بازار" ہے۔ یہ ڈراما کے تمام تقاضوں اور روایات کا پورا خیال رکھتے ہوئے روایتی ڈراما نہیں ہے۔ اس ڈرامے میں حبیب تنویر نے نظیر اکبر آبادی کی نظموں کے ذریعے انیسویں صدی کے اوائل کی دنیاوی، سیاسی اور معاشی صورتحال کا نقشہ پیش کیا ہے جو نہ صرف ان کے زمانے کی عکاسی کرتا ہے بلکہ پورے دور کی تاریخ بن جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حبیب تنویر نے نظیر اکبر آبادی کی شخصیت کو نظموں اور مکالموں کے ذریعے اس طرح پیش کیا ہے کہ ان کی شخصیت کے تمام پہلو بہت خوبصورتی سے سامنے آتے ہیں۔ آگرہ بازار کی سب سے بڑی خاص بات یہ ہے کہ اس ڈرامے کا مرکزی کردار نظیر ہے۔ اور ڈرامے کی ساری کہانی ان کے گرد گھومتی ہے لیکن وہ خود کبھی اسٹیج پر نظر نہیں آتے۔ اس ڈرامے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہمیں وہ دیکھنے کو ملتا ہے جو بظاہر اسٹیج پر پیش نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر عطیہ نشاط نے اس ڈرامے کے مقصد پر روشنی ڈالتی ہیں کہ:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

"ڈراما پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حبیب تنویر کے سامنے دو مقصد ایک ساتھ چل رہے ہیں۔ پہلا نظیر کو آگرے کے عوامی شاعر کی حیثیت سے پیش کرنا اور دوسرا آگرے کی زبوں حالی اور اقتصادی زوال کو پیش کرنا۔" (۲)

"آگرہ بازار" کی کہانی میں اس دور کا سماجی، سیاسی، ثقافتی اور معاشی ماحول ۱۸۱۰ء کے آس پاس کا ہے۔ ڈرامے کی جگہ آگرہ کا کناری بازار ہے۔ وقت ایک دن کا ہے اور اس کا دورانیہ تقریباً دو گھنٹے ہے۔ اس ڈرامے کے لیے وقت کے انتخاب کے بارے میں حبیب تنویر لکھتے ہیں:

"ڈرامے کا زمانہ لگ بھگ ۱۸۱۰ کا ہے۔ اگر تمام رائے کے مطابق ۱۷۳۵ نظیر کی تاریخ پیدائش مان لی جائے تو اس زمانے میں نظیر کی عمر کوئی ۷۵ برس ہو گی۔ ابھی ان کی زندگی کے ۲۰ سال اور باقی تھے۔ ۱۸۳۰ وفات کا سال ہے۔ میں نے ڈرامے کے لیے یہ زمانہ کئی وجوہ کی بنا پر مقرر کیا۔"(۳)

۱۸۱۰ء کا دور ادبی، سیاسی، سماجی اور معاشی نقطہ نظر سے بہت زیادہ زوال اور تبدیلی کا دور تھا۔ میر کی ادبی زندگی آخری مراحل میں تھی اور یہ غالب کی شاعری کا آغاز تھا۔ مغلیہ سلطنت برائے نام رہی اور ملک میں انگریزوں کی طاقت اور زیادتیاں بڑھتی رہیں۔ دہلی اور آگرہ پر بار بار حملے ہوئے۔ ملک میں ہر طرف قتل و غارت اور لوٹ مار تھی۔ شعراء دہلی چھوڑ کر لکھنؤ اور دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں قائم ہو چکا تھا اور اردو نثر اپنے ابتدائی دور میں تھی۔ پرانا سماجی ڈھانچہ ٹوٹ رہا تھا۔ چاروں طرف افراتفری اور سیاسی بے چینی تھی۔ عوام کی معاشی حالت دن بدن بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن اس دور میں نظیر کی شاعری اپنے عروج پر تھی۔ ان کی نظموں میں ترقی پسند عناصر تھے جو اس وقت کے سماجی، سیاسی اور معاشی حالات کو بدلنے کی طاقت رکھتے تھے۔ اس لیے حبیب تنویر نے ڈرامے کے پلاٹ کے لیے یہ دور زیادہ موزوں پایا۔ پروڈکشن کے لحاظ سے ڈراما آگرہ کے پلاٹ کو حبیب تنویر نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

"۱۔ عوام کا افلاس اور بے روزگاری
۲۔ ادیبوں کا تساہل، تعصب اور زندگی سے فرار
۳۔ چھوٹے پیشہ وروں میں نظیر کی مقبولیت
۴۔ نظیر کا پیغام۔" (۴)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

اس ڈراما آگرہ بازار کی سب سے بڑی خصوصیت فقیروں کے گانے ہیں جو منظر کے بیچوں بیچ نمودار ہوتے ہیں اور کڑیوں کو جوڑنے والے ماسٹر کا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ گانے نظیر کی تصدیق کرتے ہوئے ڈرامے کی رفتار کو منظم کرتے ہیں اور کسی خاص مقام پر رک کر منظر کی وضاحت کرتے ہیں۔ ڈرامے کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں بہت سے مناظر پائے جاتے ہیں۔۔ پہلا ایکٹ آگرہ کے حالات کے تعارف سے شروع ہوتا ہے جس میں فقیر گاتے ہیں اور ککڑی والے کی جدوجہد پر ختم ہوتا ہے اور دوسرا ایکٹ نظم "بنجارہ نامہ" سے شروع ہوتا ہے اور "آدمی نامہ" پر ختم ہوتا ہے۔

آگرہ بازار ڈرامے میں کہانی کا آغاز نظیر اکبر آبادی کی نظم "شہر آشوب" سے ہوتا ہے جس میں آگرہ بازار کی جھلک موجود ہے۔ پہلے ایکٹ میں پردہ اٹھنے سے پہلے دو لوگ ایک فقیر کے بھیس میں نظیر کی نظم شہر آشوب کو کورس کے انداز میں گاتے ہیں، اسٹیج کے پیچھے سے اسٹیج پر آتے ہیں اور سامعین کے درمیان کھڑے ہو کر نظم پڑھتے ہیں اور تال بجاتے ہیں۔ تال کی طرف یہ دونوں فقیر اس ڈرامے میں راوی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ جو شاعری کے ذریعے سامعین کے سامنے پیش کی جانے والی کہانیوں کے بارے میں بتاتے ہیں اور سامعین کو ذہنی طور پر تیار کرتے ہیں۔ ڈرامے کا آغاز درج ذیل شعر سے ہوتا ہے:

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے کاروبار بند　　رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موجدار بند　　ہو کس طرح نہ منھ میں زباں بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روز گا بند (۵)

یہاں راوی یا فقیر کی طرف سے سامعین کو سنائی جانے والی نظم نظیر اکبر آبادی کی "شہر آشوب" ہے۔ آگرہ بازار کا پورا ماحول اس ایک شعر سے نکلتا ہے۔ جس میں آگرہ کے لوگوں کی معاشی اور معاشی بدحالی کا نقشہ کھینچ کر یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس شہر میں کس طرح روزگار کی کمی ہے۔ مالی مجبوریوں کی وجہ سے شہر کے تمام گیراج بند ہیں۔ سب کے رزق کا مسئلہ ہے۔ دکانیں کھلی ہوئی ہیں لیکن خریدار نہیں ہیں۔ سیٹھ ساہوکار جو عموماً معاشرے کے امیر لوگ ہوتے ہیں اور جو دوسروں کو سود پر قرض دیتے تھے لیکن ان کا بھی یہ حال ہوتا ہے کہ وہ قرض لے کر خود گزارہ کر رہے ہیں۔ یہ باغ یعنی آگرہ اس قدر نظر انداز ہے کہ اس کی دیکھ بھال کے لیے کوئی باغبان نہیں۔ اس چار پانچ بند میں اس وقت آگرہ کا عکس اور خود نظیر کا تعارف ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

آگرہ صرف ایک علامت ہے جو پورے ملک کا سیاق و سباق ہے۔ اس طرح یہ ڈراما سیاسی عدم استحکام کے درمیان عام لوگوں کی مایوسی، چڑچڑاپن اور تذبذب کی عکاسی کرتا ہے۔

سامعین کے سامنے نظیر کی نظم سنانے کے بعد ایک فقیرا سٹیج سے دائیں اور دوسرا بائیں طرف سے چلا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اسٹیج کا پردہ اٹھا کر حاضرین کا منظر نظر آتا ہے جہاں سرد بازار ہے اور عجیب سا سایہ ہے۔ ککڑی، تربوز، لڈو اور دیگر پھیری والے شور مچا کر اپنا سامان بیچنا چاہتے ہیں لیکن ان کی آواز پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ بچے خوانچے والے کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن خرید نہیں سکتے۔ پتنگ کی دکان بند ہے۔ پان کی دیوار کے اوپر والے کمرے سے نسوانی گانے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ کتاب فروش کی دکان پر دو گاہک کتابیں خریدنے میں مصروف ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ککڑی اور پھیری والوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اسی دوران ایک چکر لگاتا ہوا مداری بندر کے ساتھ بازار میں داخل ہوتا ہے جس سے لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ بندر والا ملک کے تاریخی واقعات کو بندر کے ذریعے پیش کرتا ہے۔ جس میں دہلی پر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کا حملہ اور سورج کا تقسیم ہو کر آگرہ کی واپسی اور اس کے ذریعے آگرہ پر آنے والی آفت، ہندوستان میں انگریزوں کی آمد، بنگال کا قحط اور پلاسی کی جنگ اور بہت سے دوسرے تاریخی حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بندر کے رقص کے حوالے سے اس دور کے حالات، غربت اور افلاس وغیرہ جیسی کئی حقیقتوں کو بھی پیش کرتا ہے۔ بندر کے لوگوں سے پیسے مانگنے کی وجہ سے لوگ کھسک گئے۔ بندر والے کا ککڑی والے سے جھگڑا اور اس کی ٹوکری پھینکنا ان تمام واقعات سے سامعین کے ذہنوں پر نقش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کہ جب لوگوں کے پاس کھانے کے پیسے نہیں ہوں گے تو وہ بندر کا ناچ کیا دیکھیں گے اور بازار سے کیا خریدیں گے۔

ککڑی والا اور مداری کا جھگڑا ختم ہونے کے بعد دو فقیر تھیٹر کے پچھلے دروازے سے اسٹیج پر نظیر کی نظم "روٹیاں" کو کورس کے انداز میں سناتے ہوئے باہر آتے ہیں۔ جس کا مقصد ناظرین پر یہ واضح کرنا ہے کہ انسان کی زندگی میں روٹی کی کیا اہمیت ہے اور وہ اس کے لیے کیا نہیں کرتا۔ جب انسان بھوکا ہوتا ہے تو اسے چاند سورج یا دنیا کی ہر چیز میں صرف روٹی نظر آتی ہے۔ بھوکا آدمی بغیر پیٹ بھرے خدا کی عبادت نہیں کر سکتا۔ روٹی دنیا، معاشرہ اور مذاہب کو خدا کی یاد دلاتی ہے۔

نظم ختم ہونے کے بعد دونوں فقیر باہر چلے گئے۔ پھر ایک اور منظر سامنے آتا ہے۔ ککڑی بیچنے والا اسے بیچنے کی ایک اور چال نکالتا ہے۔ دوسرے پھیری یہ نیا نسخہ جاننا چاہتے ہیں لیکن وہ بتانے سے انکاری ہے۔ اسی دوران

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

لوگوں کے درمیان جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ سب دکانیں چھوڑ کر وہاں جمع ہونے لگتے ہیں۔ ساتھ ہی موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ چور بازار کا سامان لوٹتے ہوئے بھاگتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کمہار کے دو گملے ٹوٹ گئے اور بازار میں ہنگامہ آرائی شروع ہو جاتی ہے۔ لوگ اپنی دکانیں بند کر دیتے ہیں۔ اسی دوران فقیر پھر اسٹیج پر آتے ہیں اور نظیر کی نظم ''مفلسی'' سناتے ہیں۔ جس میں غربت سے پیدا ہونے والے تمام مصائب اور بدعتوں کا ذکر ہے جو غریب شخص کا جینا حرام کر دیتی ہیں۔

اس نظم کے بعد ککڑی والا پہلے ایک راہگیر سے اور پھر شاعر سے ککڑی پر نظم لکھنے کی درخواست کرتا ہے۔ اسے کسی نہ کسی طرح یقین ہے کہ ککڑی گا کر بیچنے سے وہ زیادہ بکیں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ شاعر، کتاب فروش اور ہم جولی گفتگو اس دور کے ادیبوں کے ادب کے معیار اور مغلیہ سلطنت کے حالات کی تائید کرتی ہے۔ ساتھ ہی استاد ذوق کا بھی ذکر ہے۔ میرؔ کے اشعار بھی پڑھے جاتے ہیں۔ اور اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان دنوں وہ لکھنؤ میں محصور ہیں۔ لڈو اور تربوز والے کی گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ ملک میں ہر طرف لوٹ مار ہے۔ شاعر کتاب فروش سے اپنی نظم کا مسودہ چھپوانے کی درخواست کرتا ہے۔ اسی دوران فقیر پھر اسٹیج پر داخل ہوتے ہیں اور نظیر کی نظم ''خوشامد'' پیش کرتے ہیں۔ جس کا مقصد اس دور کے لوگوں کی چاپلوسی کی ذہنیت کو پیش کرنا تھا کہ کس طرح لوگ اپنے کام کروانے اور عہدے حاصل کرنے کے لیے لوگوں کی چاپلوسی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اس زمانے کے مشہور درباری شاعر۔ اور وہ کامیاب نہیں ہوتے جو چاپلوس نہ ہوں خواہ وہ نظیر اکبر آبادی جیسے عوام میں کتنے ہی مقبول کیوں نہ ہوں۔

ساتھ ہی میرؔ کے کلام اور اردو کی مختلف صنعتوں کا تذکرہ کرکے نظم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ اسی دوران ایک بزرگ تذکرہ نویس داخل ہوتا ہے۔ ککڑی والا ان سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن وہ میرؔ کے نقش قدم پر چل کر اپنی زبان خراب نہیں کرنا چاہتا۔ جس میں اعلیٰ طبقے کے شاعروں اور عوام میں تعصب اور نفرت اور نظیر کی عوامی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔ تذکرہ نویس کے الفاظ دہلی کی سیاسی اور سماجی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہیں اور دہلی چھوڑ کر لکھنؤ اور دوسرے شہروں میں جانے والے لوگوں کا ذکر ہے۔ یہ تمام چیزیں نہ صرف دہلی اور آگرہ کی بلکہ پورے ملک کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی صورتحال کا خلاصہ کرتی ہیں۔ پرنٹنگ ہاؤس میں تذکرہ ادیب، شاعر اور کتب فروش کی آمد فارسی ادب کی کمی اور ریختہ میں رسائل، اخبارات اور کتابوں کی طباعت کے آغاز اور دہلی میں کالج وغیرہ کے قیام سے زمانے کی تبدیلی کو ظاہر ہوتی ہے۔ زمانے کی بدلتی قدروں کو دیکھتے ہوئے کتاب فروش مصنف سے کہتا ہے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

کہ وہ ایسا ادب لکھے جو زمانے کی بدلتی ہوئی ضروریات کو پورا کرے۔ لیکن وہ لوگ وقت کی تبدیلی کی شکایت کرتے ہیں لیکن اپنے آپ کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ بلکہ وہ مجاہدین کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ اسے بدل دیں۔ جب کہ ہم جولی کی گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ زمانے کو بدلنے کے لیے مجاہدوں کی نہیں بلکہ انسانوں کی ضرورت ہے جو ترقی کے اس دور سے جنم لیں گے۔ اسی دوران فورٹ ولیم کالج میں میر امن کی ملازمت اور چار درویش اور سورج مل جاٹ کی طرف سے اس کی جائیداد کی لوٹ مار کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ نصر اللہ بیگ اور غالبؔ کے فارسی علم کا پتہ چلتا ہے۔ اسی وقت گاؤں والوں کا ایک گروہ بلدیو جی کا میلہ گاتے ہوئے بائیں راستے سے آتا ہے اور سکھوں کا ایک گروہ دائیں راستے سے مدح گرو نانک شاہ گرو گاتا ہوا آتا ہے۔ دونوں کے درمیان الجھن اور تناؤ کی فضا قائم ہے لیکن دونوں گروپ گرو کے سامنے جھک کر ایک ایک کر کے نظم گاتے ہیں۔ اس نظم کے ذریعے حبیب تنویر یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ انسانیت میں مردانگی کی کوئی واضح تعریف نہیں ہے لیکن مذہب سب کو متحد کرتا ہے اور انسانی بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔ جس سے نظیرؔ کی قومی یک جہتی کا پتہ چلتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی کے ادبی معیار کا اندازہ دونوں گروہوں کی جانب سے نظموں کی پیش کش کے بعد شہید اور طوائف، بے نظیر کی شاعرانہ گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے۔ شاعر اور تاریخ نویس کے درمیان ہونے والی گفتگو سے اس دور کے بے ہودہ ادبی ادیبوں کے بارے میں معلومات ملتی ہیں اور میرؔ کے دہلی آنے پر لکھنؤ واپس جانے کا ذکر، کتابوں کی دکان میں فارسی کتابوں کی کمی اور اردو میں لکھی اور ترجمہ شدہ کتابیں کتابوں کی اہمیت کے ساتھ ساتھ نظیرؔ کے کلام کا معیار کیا ہے؟ یہ بات ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتی ہے۔ کتاب فروش کا لڑکے کو کتابیں بیچنا اس دور کے اعلیٰ طبقے کی نفرت اور تعصب کی تصدیق کرتا ہے۔

اس نظم میں ککڑی والا اپنی ککڑی پر نظم لکھنے کی کوشش میں مصروف ہے لیکن سب اسے انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن وہ مسلسل اس جدوجہد میں مصروف ہے جو اس کے کردار کے متحرک اور وقت کے ساتھ خود کو بدلنے کی تائید ہوتی ہے۔ کمہار کے ہاں بیٹے کی پیدائش اور کریمن اور چمیلی جیسے خواجہ سراؤں کی آمد اور نظیرؔ کی نظم کنہیا کا بالپن اور کمہار کا کورے برتن کے عنوان سے ایک نظم سنانا۔ اس نظم سے نظیر کی مقبولیت اور استعداد کی تصدیق ہوتی ہے۔ داروغہ کا بازار میں معمولی جھگڑے کو فساد قرار دینے اور پوری مارکیٹ پر ایک روپیہ جرمانہ عائد کرنے کا فیصلہ ملک کے سیاسی کھوکھلے پن کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کے بعد نظیر کی پوتی نے اپنے دادا کے لیے لالہ کی دکان سے آم کا اچار لیا اور اس میں چوہا مرے ہونے کی وجہ سے نظیر کے چوہے پر لکھے ہوئے چند اشعار کے ساتھ واپس کر دینا نظیر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی قابلیت، اعلیٰ ظرفی اور حاضر جوابی کی حمایت کرتا ہے۔ کتاب فروش اور شاعر نما آدمی کے درمیان ہونے والے مکالمے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نظیر کی تقریر کو پسند نہیں کرتے۔ ان لوگوں کی زندگی سے نظیر کی زندگی کے مختلف پہلو زیر بحث آتے ہیں۔ شہید اور طوائف، بے نظیر کے کلام سے اس دور کی شادی شدہ زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ دروغہ اور شہدا کے درمیان ہونے والے مکالمے سے عوام اور سیاست دانوں کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے کہ پولیس والے عام لوگوں کی حفاظت کرنے کے بجائے انہیں جھوٹے مقدمات میں پھنسا کر ان سے پیسے بٹورتے ہیں۔ شاعر نما انسان اور کتاب فروش کے الفاظ ہمیں اس دور کے لوگوں اور مقبول ادب اور ان کی اشاعت کے بارے میں بتاتے ہیں۔ پھر فقیر آتے ہیں اور نظیر کی نظم "پیسا" پڑھتے ہیں۔ جس میں پیسے کی اہمیت اور اس دور کی معاشی صورتحال اور اس کی غربت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ منظر کے آخر میں ککڑی والا نظر آتا ہے جو شاہ صاحب سے ککڑی پر نظم لکھوانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوتا اور اپنا سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پہلا عمل ایکٹ یہاں ختم ہوتا ہے۔

دوسرے ایکٹ میں بالکل اسی طرح جیسے پہلے ایکٹ میں پردہ اٹھنے سے پہلے دونوں فقیر ہال میں سے گزرتے ہیں اور پردے کے پاس اسی انداز میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور نظیر کی نظم "بنجارہ نامہ" پڑھتے ہیں۔ جس میں علامتی انداز میں انسان کو بنجارے کے موافق بتایا گیا ہے اور اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ جب موت آئے گی تو تمام چیزیں یہیں رہیں گی، کچھ بھی کام نہیں آئے گا۔ نظم کے آخری بند کے بعد پردہ اٹھتا ہے اور بازاری منظر کھلتا ہے۔ ککڑی والا اور دوسرے پھیری والا کے مکالمے ملک میں بے روزگاری کی شدت کو ظاہر کرتے ہیں اور شاعر اور کتاب فروش کے مکالمے اعلیٰ طبقے کی معاشی تنگدستی اور لوگوں کی مقروضی کو بے نقاب کرتے ہیں۔ اس منظر کے بعد پتنگ والا جس میں نظیر کی جھلک ہے کو اپنی دکان کھولتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ پتنگ والے اور برتن والے کے درمیان ہونے والی گفتگو سے سیاست دانوں کی عوام سے بے حسی ظاہر ہوتی ہے اور ان کا نظیر کے ساتھ آگرہ سوئمنگ فیسٹیول میں جانے کے ذکر سے نظیر کی شادی شدہ زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُن کی سوانح عمری شاعر، راوی اور بک شاپ پر بک فروش کے مکالموں سے سامنے آتی ہے۔ لڈو اور ککڑی والے کی پھر لڑائی ہوتی ہے۔ جب ایک لڑکا پتنگ بیچنے والے کے پاس پتنگ خریدنے آتا ہے تو کتاب فروش اسے غزل سنانے کو کہتا ہے۔ لڑکا نظیر کی غزل پڑھتا ہے جسے سب پسند کرتے ہیں لیکن تذکرہ نویس، شاعر اور کتاب فروش وغیرہ جن کے کردار میں اس دور کے تذکرہ نگاروں، شاعروں اور ادیبوں کی جھلک نظر آتی ہے وہ نظیر کے مخالف ہیں ان کو بھی نظیر کی نظم پسند تو آتی ہے لیکن تعصب کی وجہ سے نظیر کو محض تک بندی کہہ کر ادنیٰ شاعر قرار دیتے ہیں۔ اس دوران استاد شاعر میر و سودا کے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

اشعار بھی پڑھے جاتے ہیں۔ انشاو مصحفی کا بھی ذکر ہے اور ان کی لڑائیوں کا بھی انکشاف ہوا ہے۔ اسی دوران آتش اور ناسخ کا ذکر بھی آتا ہے اور ان کا عروج بھی ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس دور کے شاعروں کا عروج وزوال ہے لیکن نظیر واحد شاعر ہیں جن کی نظمیں ہر دور میں مقبول رہی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ عوام میں ہمیشہ مقبول رہے ہیں۔ جب لڑکا پتنگ والے کے کہنے پر نظیر کی نظم پڑھتا ہے تو کتاب فروش نے نظیر کے خلاف تعصب کی وجہ سے اسے خاموش رہنے کو کہا اور وہ ککڑی والے پر اپنا غصہ ظاہر کرتا ہے۔ کتاب والے کا غصہ دیکھ کر لڑکا وہاں سے جانے لگتا ہے لیکن پتنگ والا اسے اپنی دکان پر بلاتا ہے۔ یہ منظر ادیبوں اور شاعروں کی اپنے ہم عصر شاعروں کے خلاف، امیروں کو غریبوں کے خلاف اور بڑے پیشہ وروں کی چھوٹے پیشہ وروں کے خلاف نفرت اور تعصب کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ پتنگ والا نظیر کا عاشق ہے، اس لیے وہ نہ صرف خود نظیر کی نظمیں سناتا ہے بلکہ لڑکے سے نظیر کی نظمیں سنانے کو بھی کہتا ہے۔ جس سے سب پتنگ والے کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور نظم کو خوب داد دیتے ہیں۔ جس سے نظیر کی عوامی مقبولیت پوری طرح آشکار ہوتی ہے۔

گھوڑوں کا تاجر منظور حسین لڑکے کی نظم پڑھنے کے دوران ہجوم میں نظر آتا ہے۔ پتنگ والا اس سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن وہ منہ پھیر لیتا ہے۔ پتنگ والا اور بنی پرشاد کے درمیان ہونے والی گفتگو سے منظور حسین کے کردار اور انگریزوں اور مراٹھوں کی لڑائی سے لے کر اس دور کے سماجی، سماجی اور تہذیبی پہلوؤں، میرٹ میں سپاہیوں کی بغاوت اور عوام کی ان سے بیزاری کا پتہ چلتا ہے۔ جھانسی اور دیگر علاقوں میں غنڈوں کی سرگرمیاں۔ معاشی اور سیاسی صورتحال ابھرتی ہے۔ پتنگ والے کے ڈائیلاگ بتاتے ہیں کہ آگرہ میں بھی یہی حال ہے۔ لوگوں کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ وہ پتنگ بازی کا شوق پورا کر سکیں۔ جس سے آگرہ کی معاشی بدحالی، غربت اور ملک کی معاشی صورتحال کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ اس کے بعد کچھ لوگ نظیر کی نظم "ہولی" گاتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ جو نظیر کی انسان دوستی، سیکولر ذہن اور ہر مذہب میں مقبولیت کو ظاہر کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ نظیر کی فنی خوبیوں، کاموں اور اختراعات، تشبیہات اور استعارات اور نظیر کی نظموں کے معیار اور کلام کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ پتنگ والے کی درخواست پر لڑکا نظیر کی نظم "سارا پا" پڑھتا ہے جس میں نظیر نے اپنا ہی سراپا کھینچا ہے۔ نظیر کی پوتی اور پتنگ والے کے درمیان ہونے والی گفتگو سے نظیر کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ بچوں کو پڑھانے کے لیے کوئی پیسے نہیں لیتے۔ کوئی دے بھی دے تو اپنے اوپر خرچ نہیں کرتے۔ یہ بھی ذکر ہے کہ حیدرآباد اور لکھنؤ کے شاہی دربار سے کئی دعوت نامے آئے لیکن وہ نہیں گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظیر کی زندگی میں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

پیسے کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور اسے کوئی لالچ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ان کا قومی اتحاد بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ آگرہ سے کتنا پیار کرتے تھے۔ یہاں ککڑی والا پتنگ والے سے میاں نظیر کے گھر کا پتہ پوچھتا نظر آتا ہے۔ ان دونوں کے مکالموں سے نظیر کی شفقت، سادگی، خلوص، عوامی شاعر اور اچھے انسان ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ڈرامے کے آخر میں اجنبی اور کتاب فروش کے درمیان ہونے والے مکالمے اعلیٰ طبقے کے عام لوگوں کے تئیں نفرت، تعصب اور نفرت کو ظاہر کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ نظیر جیسے عوامی شاعر کے تئیں نفرت اور تعصب کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ گنگا پرشاد کتاب فروش کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ وقت کے تقاضوں کے مطابق خود کو بدلیں۔ فوجیوں اور شہداء کے مکالمے ملک کے سیاسی کھوکھلے پن کی نشاندہی کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ سیاسی لوگ اپنے مفادات کے لیے کس طرح بے گناہوں کو جیلوں میں ڈالتے ہیں۔ دریں اثنا، مداری ریچھ کے ساتھ نظیر کی نظم "ریچھ کا بچہ" گاتے ہوئے دوبارہ داخل ہوتا ہے، اب مداری کے ساتھ بندر نہیں بلکہ ریچھ ہے جو ٹوپی پہنے ہوئے ہے۔ اسٹیج پر آکر اس نے اپنی ٹوپی نیچے پھینک دی۔ اس کے نیچے سے گاندھی کی ٹوپی نکلتی ہے اور جب وہ ہاتھ میں چھڑی کو موڑتا ہے تو اس میں سے ترنگا نکلتا ہے جسے وہ ہوا میں لہرانے لگتا ہے۔ اس کے ذریعے سامعین پر یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ صدی بدل چکی ہے اور ملک اب انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو چکا ہے۔ اس کے بعد مداری نظیر کی نظم "ریچھ کا بچہ" سناتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بیسویں صدی کے لوگ اپنے کے کپڑے پہن کر بازار میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ پان والے کی ہٹی پر ایک آدمی سائیکل پر کھڑا ہے۔ بازار میں بہت سی تبدیلیاں ہوتی ہیں جیسے کتاب والے کی دوکان کے باہر بیسویں صدی کا بورڈ وغیرہ۔ اسی دوران دروازوں کے پیچھے سے غریب اور مسکین بچے حرکت کرتے نظر آتے ہیں ان کے جسموں کے چیتھڑے، چہروں پر غربت اور افسردگی، ایک ہاتھ میں بھیک کا کٹورا اور دوسرے میں مختلف عنوانات کے اشتہاری بورڈ اور پلے کارڈز۔ ایک کے ہاتھ میں نظیر کی لمبی تصویر ہے جبکہ دوسرے کے ہاتھ میں یوم نظیر ہند پاک مشاعرہ کا اعلان ہے۔ اس منظر سے حبیب تنویر نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد بھی لوگوں میں غربت اور افلاس برقرار ہے۔ آج بھی لوگوں کے پاس کھانا ہے نہ کپڑا، لوگ غربت کی وجہ سے بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔ ہاتھ میں نظیر کی قد آور تصویر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ نظیر آج بھی عوام کی نظروں میں مقبول ہیں۔ اس کے بعد ککڑی والے کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ وہ نظیر سے اپنی ککڑی پر نظم لکھوا کر اور گا کر بیچتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی ککڑی تیزی سے بکنے لگتی ہیں۔ ککڑی والے کو دیکھ کر لڈو اور تربوز والے اور دیگر پھیری والے بھی نظمیں لکھوا کر اپنا سامان بیچنا شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے نظیر کی انسان

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

دوستی اور انسانی ہمدردی اور اعلیٰ معیار کا پتہ چلتا ہے۔ دروغہ اور بے نظیر کے مکالموں سے سیاست کا چہرہ ابھرتا ہے اور ملک کے اعلیٰ طبقے کی شادی شدہ زندگی سامنے آتی ہے۔ پھر آخر میں، فقیر نظیر کی نظم "آدمی نامہ" گاتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اسٹیج پر موجود تمام لوگ کورس میں شامل ہو کر آخری بند "اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی" گاتے ہیں۔ اس نے لوگوں کو قومی اتحاد، بھائی چارے اور باہمی مساوات کا درس دیا ہے۔

"آگرہ بازار" پلاٹ کے لحاظ سے ایک سادہ ڈراما ہے۔ جس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے واقعات کو یکجا کر کے پیش کیا گیا ہے۔ ان تمام واقعات کا ایک بھرپور سماجی مفہوم ہے جو نظیر کی نظموں کے ذریعے منسلک اور ترتیب دیا گیا ہے۔ آگرہ بازار کی اہم خصوصیت اس کا ضمنی پلاٹ ہے۔ جو کوئی کہانی نہیں ہے بلکہ یہ ڈرامے کا بنیادی بیانیہ ڈھانچہ ہے۔ جس میں کلاسیکی دور کی سماجی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی سرگرمیوں کو پیش کیا گیا ہے۔ ڈراما آگرہ بازار تخلیق کرنے میں حبیب تنویر کا مقصد چاہے کچھ بھی ہو لیکن یہ ڈراما ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے ایک خاص دور کی عکاسی کے لیے ایسے کرداروں کا انتخاب کیا ہے جو تاریخی اور ادبی لحاظ سے بہت موزوں اور سماجی لحاظ سے معنی خیز ہیں۔ یہ ڈراما حقیقت پسندانہ ڈرامے کے تین ایکٹ ڈرامے سے مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی یہ کلاسیکی ڈراموں کے دلکش مناظر، گانے، رقص اور موسیقی سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر ڈراموں کی طرح اس ڈرامے میں بھی واضح پلاٹ نہیں ہے کیونکہ اس ڈرامے میں نہ تو کوئی کہانی ہے اور نہ ہی مرکزی کردار۔ اس کے علاوہ ڈرامے کے آغاز میں شروعاتی نشوونما اور اختتام جیسی کوئی صورت حال بھی نہیں ہے۔ لیکن حبیب تنویر نے مغرب کی جدید تراکیب کے ذریعے چند چھوٹے واقعات اور اشعار کو یکجا کر کے اتنے اچھے انداز میں پیش کیا ہے کہ یہ اس ڈرامے کی خوبی بن گیا ہے۔ ان کی ہر کہانی اپنی الگ پہچان رکھتی ہے اور معاشرے کے کسی نہ کسی پہلو کو سمیٹتی ہے۔ مثال کے طور پر شہر کے فسادات کے بعد آگرہ کے بازار کے شروع میں جو منظر پیش کیا گیا ہے اس میں آگرہ کے لوگوں کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ انھوں نے اس دور کی ادبی، تاریخی اور سماجی زندگی کو ایک شاعر نما انسان، کتاب فروش اور تذکرہ نویس کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ نظیر کی شخصیت اور ان کی عظمت کو ککڑی والے، پھیری والے اور پتنگ والے کے کرداروں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ دارغہ اور بے نظیر کی کہانی سیاسی کھوکھلے پن اور سماجی برائیوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ ڈراما "آگرہ بازار" کے قصہ کے زمانے اور بازار کے مقام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں ڈرامے کی وحدت یعنی زماں و مکاں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈراما"آگرہ بازار" کے دوسرے ایکٹ کے آخری حصے میں جب مداری ریچھ کے ساتھ آتا ہے تو وقت کی یکسر تبدیلی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس سے حبیب تنویر ایک طرف شعور کی تکنیک کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف وہ اس بات کی طرف بھی توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ جاگیر دارانہ نظام سے نجات حاصل کرنے اور آزادی کی منزل تک پہنچنے کے باوجود عوام کا دیوالیہ پن ہے۔ اور معیشت متاثر ہو رہی ہے۔ آدمی نامہ متعارف کروا کر وہ انسانی مساوات اور تعاون پر مبنی نظام لانا چاہتے ہیں۔

حبیب تنویر نے آگرہ بازار میں ایپک تھیٹر کے اصولوں کو ہندوستانی ماحول کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جس کا مقصد جدید ڈراموں کے اصولوں پر عمل کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا پلاٹ انیسویں صدی سے آزادی کے بعد کے دور تک پھیلا ہوا ہے۔ بریخت کے ایپک تھیٹر کا اثر اس ڈرامے میں نظر آتا ہے۔ بریخت کی طرح حبیب تنویر نے بھی آگرہ بازار کے پلاٹ کی بنیاد انسانی زندگی پر رکھی۔ یہ ٹھوس سچائیوں پر مبنی ہے اور تاریخی شواہد کے ذریعے بنیادی ذرائع پر ماضی کے واقعات پر مبنی ہے۔ خود بریخت کی طرح اس نے بھی سامعین کی جذباتی ہم آہنگی کا خیال رکھتے ہوئے کرداروں اور سامعین کے درمیان فاصلے کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ڈرامے کی یہ خصوصیت اسے بریخت کے ڈراموں کے قریب کر دیتی ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ظہور الدین فرماتے ہیں:

> "التباس کی حقیقت کو توڑنے کے لیے حبیب تنویر، نظیر کی نظمیں استعمال کرتے ہیں وہ بیک وقت جذباتی ہم آہنگی کو ختم کر کے غور خوض کی ترغیب دینے کا کام بھی کرتی ہے۔ حبیب تنویر وقتاً فوقتاً جہاں ناظرین پر یہ واضح کرتے ہیں یہ بھری زندگی نہیں بلکہ ماضی میں ہوئے واقعات کا بیان ہے وہیں وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ناظرین اسٹیج پر ہونے والے عمل میں اس قدر کھو جائیں کہ وہ خود کو ہی کردار سمجھنے لگیں۔ چنانچہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ کورس کے ذریعہ نظیر کی وہ نظمیں پیش کرتے ہیں کہ جو ایک طرف جہاں زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کی عکاسی کرتی ہیں وہیں دوسری طرف تنقید و تبصرے کا کام کرتے ہوئے ناظرین کو واقعات کے بارے میں سوچنے کی تحریک کا کام بھی انجام لاتی ہے۔" (۶)

"آگرہ بازار" ڈراما نظیر کی محض سوانح حیات بننے کے بجائے اس دور کی تاریخ کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ڈرامے میں کئی ایسے مواقع آتے ہیں جب اس کا پلاٹ افسانے کی حدود سے نکل کر تاریخ کے دائروں میں داخل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ ڈراما آگرہ بازار اپنے بنیادی نظام میں جمہوری اور سماجی فکر سے جڑا ہوا ہے۔اس میں ایسی نظمیں پیش

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی گئی ہیں جو اخلاقی اقدار سے بھری ہوئی ہیں جو انسانی زندگی کی تصویر اور رنگ کو پیش کرتی ہیں، اس کے مرکز میں عام آدمی کی صورت حال کی تفصیل ہے۔ آگرہ بازار کے ڈرامے میں المیہ اور طربیہ کا حسین امتزاج ہے۔ حبیب تنویر نے اس ڈرامے کو اخلاقی المیہ کے بجائے ایک المناک المیہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تمام کہانیاں کسی نہ کسی سماجی، سیاسی یا معاشی المیے سے نمٹتی ہیں۔ ککڑی والے، تربوز والے یا مداری کے مکالمے ہوں یا ککڑی والے کی نظم لکھنے کی جدوجہد، شاعر نما انسان اور ہم جولی کے مکالمے اس دور کے ادب کی تنگی کا المیہ پیش کرتے ہیں۔ سیاسی، سماجی، ادبی اور تاریخی المیے کو تذکرہ نویس اور کتاب فروش کی گفتگو کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ پہلے ایکٹ کے ہر منظر میں طربیہ یا المیہ یا دونوں کا خوبصورت امتزاج پیش کیا ہے۔ دوسرے ایکٹ کے تمام مناظر جیسے گھوڑوں کے سوداگر کے واقعات، طوائف ، بے نظیر کے واقعات اور اس کی گفتگو اور ادیبوں اور بیچنے والوں کی کہانیوں میں المیہ اور تعلیم کے عناصر موجود ہیں۔

آگرہ بازار کے پلاٹ میں تاریخی واقعات کی سچائیوں کے علاوہ ان تاریخی واقعات میں کچھ خامیاں بھی ہیں۔ ڈرامے کا پلاٹ ۱۸۱۰ء کے واقعات پر مبنی ہے لیکن یہ بیسویں صدی پر محیط ہے۔ اس میں تاریخی واقعات کی کمی کا تعلق ذوقؔ، بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد بننے، نصر اللہ بیگ کی وفات اور میر امن کی باغ و بہار کی تشکیل سے ہے۔ لیکن ان خامیوں کے باوجود آگرہ بازار حبیب تنویر کا ایک کامیاب ڈراما ہے۔

ڈراما آگرہ بازار کردار نگاری کے لحاظ سے بھی ایک کامیاب ڈراما ہے۔ بظاہر اس کا کوئی مرکزی یا ہیرو کردار نہیں ہے لیکن ہر کردار مخصوص خصوصیات کا حامل ہے اور بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اور وہ کہانی کو آگے بڑھانے میں کسی نہ کسی طرح مدد کرتا ہے۔ اس ڈرامے میں متحرک اور غیر متحرک دونوں طرح کردار ہیں۔ ککڑی والا، تربوز والا اور پتنگ والا وغیرہ سب ایسے کردار ہیں جو متحرک ہونے کے ساتھ ساتھ جاندار بھی ہیں۔ جو زمانے کو بدلنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کرداروں میں نظیرؔ کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ تذکرہ نویس، شاعر نما آدمی اور کتاب فروش وغیرہ ایسے کردار ہیں جو متحرک اور بے جان ہیں جو اس دور کے ادیبوں اور شاعروں کی نمائندگی کرتے ہیں اور فوجیوں اور شہداء کے کردار اقتدار کی خود مختاری اور اس کے کرپٹ رویے کو ظاہر کرتے ہیں۔

جہاں تک آگرہ بازار کے ڈرامے کے مکالموں کا تعلق ہے تو اس کے تمام مکالمے موقع و مقام اور کرداروں کے طبقے کے لحاظ سے موزوں ہیں۔ یہ مکالمے کرداروں کو حرکت اور عمل دینے کے ساتھ ساتھ کرداروں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-23

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی شخصیت کو بھی واضح کرتے ہیں اور کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ''آگرہ بازار'' زبان اور اسلوب کے اعتبار سے ایک کامیاب ڈراما ہے۔ اس میں کرداروں کی شخصیت کے مطابق زبان و بیان کا استعمال کیا گیا ہے۔ بازار کے پھیری والے اور عام لوگ جو زبان بولتے ہیں وہ خالص بول چال کی زبان ہے جو آگرہ اور اس کے آس پاس بولی جاتی ہے۔ جس میں ایک قسم کی روانی اور دلکشی ہے۔ اور وہاں کتب فروش کی دکان پر شاعروں اور ادیبوں کی ادبی زبان نفاست سے بھری پڑی ہے جس میں فصاحت اللہ بیگ کی کتاب ''دہلی کی آوازیں'' سے ماخوذ ہے۔ طوائفوں اور شہیدوں کی زبان اس وقت کے اعلیٰ طبقے کی محاوراتی زبان ہے۔ حبیب تنویر نے اس ڈرامے میں کرداروں کی طبقے اور ان کے ماحول کے مطابق زبان استعمال کی ہے۔

آگرہ بازار جدید ہندوستانی اسٹیج کا مرکز ہے جہاں ہندوستان میں بنیادی تھیٹر کا عمل شروع ہوا۔ اور ہندوستان میں ڈرامانگاری کی ایک نئی تکنیک کا آغاز ہوا۔ یہ ڈراما جدید دور میں سب سے زیادہ اسٹیج کیے جانے والے ڈراموں میں سے ایک ہے۔ آگرہ بازار فن، اسٹیج اور پیش کش کے لحاظ سے بھی ایک مکمل ڈراما ہے۔ حبیب تنویر اسی کو اپنی کامیابی کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ آگرہ بازار کو کلاسیکی ڈرامے کی طرح روایتی اسٹیج یا تھیٹر کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسے کہیں بھی اسٹیج کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس ڈرامے میں ڈرامے کی شناخت اور پیش کش اس قدر لچکدار ہے کہ اس کی کہانی میں کرداروں کو تبدیل کرنے یا کچھ گوشے کاٹنے سے اس کے بنیادی تاثر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ حبیب تنویر نے ''آگرہ بازار'' جیسا شاہکار ڈراما پیش کر کے نہ صرف اردو سٹیج کی جڑیں مضبوط اور مستحکم کی ہیں بلکہ اسے جدید ڈراموں سے جوڑ کر ایک نیا انداز اور لب ولہجہ دیا ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ عطیہ نشاط، اردو ڈراما روایت اور تجربہ، نصرت پبلیشرز، لکھنؤ، ۱۹۷۳، ص ۲۸۳

۲۔ ایضاً، ص ۲۸۴

۳۔ حبیب تنویر، دو رنگ، آگرہ بازار، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۵، ص ۳۷

۴۔ ایضاً، ص ۱۱

۵۔ حبیب تنویر، آگرہ بازار، آزاد کتاب گھر، دہلی، ۱۹۵۴، ص ۴۷

۶۔ ظہورالدین، ڈاکٹر، جدید اردو ڈراما، ادارہ فکر جدید، نئی دہلی، ۱۹۸۷، ص ۱۸۴